بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاویلات اہل السنہ
یا
تفسیر ابی منصور ما تریدی

محمد صغیر حسن معصومی

(گذشتہ سے پیوستہ)

ثم اختلف اهل التفسیر فی العالمین،

فمنهم من رد الی کل ذی روح دب

علی وجه الارض،

ومنهم من رد الی کل ذی روح فی

الارض وغیرها،

ومنهم من قال لله کذا وکذا

عالم،

و التاویل عندنا ما اجمع اهل

الکلام ان العالمین اسم لجمیع

الانام والخلق جمیعا،

بنی آدم میں خاص طور پر مستعمل ہے، اور اسم رب مالك اور سید سبکو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے، اسی وجہ سے اس کی توجیہ مالك کے ساتھ زیادہ مناسب ہے، اور حضرت ابن عباس کی روایت اسی کا احتمال رکھتی ہے، کیونکہ اللہ تعالی، درحقیقت سارے ذکر کئے جانے والوں کا سردار رب ہے، واللہ الموفق،

مزید یہ کہ 'عالمین' کے بارے میں اهل تفسیر کا اختلاف ہے، بعض اس سے مراد ہر اس ذی روح کو لیتے ہیں جو روے زمین پر رینگتا ہے، بعض اس سے ہر روح والے کو جو زمین اور غیر زمین میں موجود ہیں مراد لیتے ہیں، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی کے لئے ایسے ایسے عالم ہیں۔

ہمارے نزدیک علم کلام کے ماہرین کی تاویل یہ ہے کہ عالمین سارے لوگوں اور جمیع مخلوقات کا نام ہے،

و قول اهل التفسير يرجع الى مثله، إلا انهم ذكروا اسماء الاعلام، واهل الكلام مايجمع ذلك وغيرهم- ثم العالم اسم للجميع، وكذلك الخلق، ثم تعريف ذلك بالعالمين و الخلايق يتوجه الى جمع الجمع من غير ان يكون فى التحقيق تفاوت، وقد يتوجه الى عالم كل زمان وكذا خلق كل زمان على حكم تجدد العالم، وبالله التوفيق،

و فى ذلك ان الله ادعى لنفسه العالمين كلهم من تقدم و تاخر، و من كان يكون لم يقدره احد ان ينطق بالتكذيب، يدعى شيئاً من ذلك لنفسه. دل ذلك على ان لا رب غيره ولا خالق لشى من ذلك سواه، اذ لا يجوز ان يكون حكيما او الها ينشئى ويبدع ولا يدعيه، ولا يفصل ما كان منه ماكان لغيره، وبنفسه قام ذلك لابغيره، وعلى ذلك معنى قوله تعالى:

اهل تفسیر کے بیان میں ایسے ھی اقوال قابل اعتناء ھیں، البتہ یہ لوگ اشخاص کے اسماء کا ذکر کرتے ھیں، اور اھل کلام اس لفظ کو اشخاص وغیر اشخاص کے اسماء کا جامع بناتے ھیں،

علاوہ ازیں عالم سارے موجودات کا اسم ھے، اسی طرح لفظ خلق ھے،

نیز عالمین اور خلایق کو معرف بنانے سے مقصود یہ ھے کہ وہ سبکو جامع ھے اور اس کی تحقیق وتثبیت میں کوئی امتیاز و تفاوت نہیں، اور کبھی تجدد عالم کے حکم کے بموجب عالمین ھر زمانے کے عالم اور اسی طرح ھر زمانے کی خلق کے لئے جامع ھے، اور اللہ ھی سے توفیق حاصل ھوتی ھے،

ان لفظوں سے ظاھر ھے کہ اللہ تعالی کا دعوی ھے کہ سارے اگلے پچھلے عالم اللہ ھی کے ملک ھیں، اور جو ھو چکے اور جو ھونگے سب اسی کے لئے ھیں، کسی کو اللہ کی تکذیب میں گویائی کی قدرت نہیں اور نہ اپنے لئے کسی شئی کا دعوی کرنے کی طاقت، یہ اس بات کی دلیل ھے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی رب ھے، اور نہ کسی شئی کا خالق. یہ جائز نہیں کہ ایک حکمت والا اور ایک معبود انشاء وابداع سے کام لے اور اس کا دعویدار نہ ھو، اور اپنی مخلوق اور غیر کی بنائی ھوئی چیز میں فرق نہ کرے، اللہ تو اپنی ذات پر قایم ھے کسی کے بل بوتے پر نہیں، یہی مفہوم ھے اللہ تعالی کے قول کا

" وما كان معه من اله اذا لذهب كل اله بما خلق "، فهذا مع مافی انسان التدبیر و اجتماع التضاد، وتعلق حوائج بعض ببعض وقیام منافع بعض ببعض علی تباعد بعض من بعض و تضادها دلیل واضح علی ان مدعی ذلك كله واحد، وانه لایجوز كون مثل ذلك عن غیر مدبر علیم، و الله المستعان،

و قوله الرحمن الرحیم ، اسمان ماخوذان من الرحمة"، لكنه روی فیهما رقیقان ، احدهما ارق من الاخر، وكان الذی روی عنه هذا اراد به "لطیفان احدهما الطف من الاخر"، . دلیل ذلك وجهان احدهما مجیء الاثر فی ذلك اللطیف فی اسماء الله تعالی مع مانطق به الكتاب، ولم یذكر فی شئی من ذلك رقیق و معنی اللطیف فی استخراج اسرار الامور الخفیة" * وظهورها له كقوله "انها إن تك مثقال حبة" من خردل

* المخطوطة" : فی استخراج اسرار الخفیة"

جب وہ فرماتا ہے" اللہ کےساتھ کوئی معبود نہیں ، ورنہ ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لیکر الگ ہو جاتا "۔

ان سب باتوں کے ساتھ یہ واضح ہے کہ انسان میں تدبیر اور اضداد کو اکھٹا کرنے کی صلاحیت ہے، بعض کی حاجتیں بعض کے ساتھ وابستہ ہیں، بعض کے منافع بعض دوسروں کے ساتھ قائم ہیں. ساتھ ہی بعض کو بعض سے بعد وتضاد ہے، ان ساری حقیقتوں سے اس بات کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ ان سب کا دعویدار ایک ہے، اور یہ مدعی بڑی تدبیر اور علم کی مہارت رکھنے والے کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا : اور اللہ ہی سے مدد کی امید کی جاتی ہے،

اور اللہ تعالیٰ کا قول 'الرحمن الرحیم' ایسے دو اسماء پر مشتمل ہے جو لفظ رحمت بمعنی مہربانی سے ماخوذ ہیں ، لیکن ان کے بارے میں روایت ہے کہ رقیق کے معنے میں ہیں. البتہ مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے زیادہ رقیق ہے . جس نے یہ بیان کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم لطیف ہے، البتہ ایک دوسرے سے لطیف تر ہے ، اسکی دلیل دو طرح بیان کی جاتی ہے ، ایک یہ کہ اسماء باری تعالیٰ کے متعلق آثار مروی ہیں جن سے لطیف کی وضاحت ہو جاتی ہے ، ساتھ ہی قرآن پاک خود ناطق ہے، اورکسی

فتكن فى صخرة ، الى قوله لطيف خبير. وبالله التوفيق ،

والثانى ان اللطيف حرف يدل على البر والعطف، والرقة" على رقة" الشئى، التى هى نقيض الغلظ والكثافة" كما يقال فلان رقيق القلب، واذا قيل فلان لطيف ، فانما يراد به بار عاطف فلذلك يجوز لطيف، ولا يجوز رقيق ،

و كذلك فسر من فسر الرحمن العاطف على خلقه بالرزق، وذهب بعضهم، وهم الاقل، الى اللطافة"، وذلك بعيد، وانما هو من الالطف ،

وقوله احدهما ارق من الاخر بمعنى اللطف ، يحتمل وجهين ، احدهما التحقيق بأن اللطف باحد الحرفين اخص واليق و اوفر و اكمل، فذلك رحمته بالمومنين انه يقال رحيم بالمومنين على تخصيصهم بالهدايه" لدينه ولذا ذكر استه ،

میں ' رقیق ، کا ذکر نہیں ہے ، اور پوشیدہ اسرار الہی کے ظہور اور استخراج میں 'لطیف' کا مفہوم باریکی ہی ہے، جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے یہ اگر رائی کے دانے کے برابر ہو اور کسی سخت پتھر میں پنہاں ہوجائے . . . اللہ بڑا لطف والا اور خبردار ہے ، اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ لطیف نیکی، نرمی اور رقت پر دلالت کرتا ہے اور رقت کا اطلاق ایسی شئے پر ہوتا ہے جس میں کثافت اور گاڑھا پن بالکل نہ ہو جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص بڑا رقیق القلب ہے یعنی نرم دل ہے ، اور جب کسی کو لطیف کہا جاتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ نیکی کرنے والا مہربان ہے ، ایسی جگہ لطیف کہنا جایز ہے رقیق کہنا جایز نہیں ،

اسی طرح بعض نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ رحمان وہ ہے جو اپنی مخلوق کو روزی پہنچا کر ہمدردی کرتا ہے ، اور بعض جو تعداد میں بہت کم ہیں یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ رحم لطافت کے معنے میں ہے، اور یہ بعید ہے اسلئے کہ یہ لفظ لطف سے مشتق ہے ، جسکے معنی نرمی کرنے کے ہیں ،

وان اشرکهم فی الرزق فیما یراهم غیرهم،

اس قول کی ، کہ لطف کے معنی میں ایک دوسرے سے رقیق تر ہے، دو توجیہیں کی جاسکتی ہیں: پہلی توجیہ درحقیقت اس بات کی تثبیت ہے کہ ان دو لفظوں میں سے ایکہ کے ساتھ لطف مخصوص ، مناسب ، زیادہ وافر اور پورے کمال کے ساتھ مختص ہے ، جسکی مثال اللہ تعالی کا ایمان والوں پر مہربان ہونا ہے ، کہ وہ کہتا ہے : رحیم بالمؤمنین، اسطرح کہ اللہ تعالی نے اپنے دین کی ھدایت کے ساتھ انہیں کو مخصوص کیا ، اور اپنی امت کے لقب سے ان کا ذکر کیا ، اگرچہ رزق میں بظاھر انکو دوسروں کا شریک بنایا ہے -

الاترى انه لايقال رحمن بالمومنين وجائز القول رحيم بهم، وكذلك لايقال رحيم بالكافر مطلقا، وبالله التوفيق،

کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کو " رحمان بالمؤمنین،، نہیں کہا جاتا ، اور " رحیم بالمؤمنین،، کہنا جایز ہے ، اسی طرح مطلقاً "رحیم بالکافر،، نہیں کہا جاتا اور اللہ ھی سے توفیق حاصل ہو سکتی ہے ،

و وجه آخر ان احدهما الطف من الاخر، كانه وصف الغايه في اللطف حتى يتعذر وجه ادراك ما في كل واحد منهما من اللطف ، او يوصف بقطع الغايه عما يتضمنه كل حرف ، وبالله التوفيق،

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے ایک دوسرے سے لطیف تر ہے، گویا اللہ تعالی نے لطف کی انتہاء اس طرح بیان کی ہے کہ دونوں میں جو لطف ہے اس کے ادراک کی وجہ مشکل ہے، یا ان میں سے ہر لفظ جس لطف کو شامل ہے، وہ حد بیان سے باھر ہے- و باللہ التوفیق -

و وجه آخر ان احدهما تم في هذا ان اسم الرحمن هو المخصوص به الله ، لا يسمى به غيره ،

دوسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں سے ایک اس بات میں تام و کامل ہے، کہ اسم رحمن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ھی مخصوص

والرحيم يجوز تسمية غيره به، فلذلك يوصف ان الرحمن اسم ذاتى، والرحيم فعلى،

و ان احتمل ان يكونا مشتقين من الرحمة، و دليل ذلك انكار العرب الرحمن، ولا احدمنهم انكر الرحيم، حيث قالوا ”لا ندرى ما الرحمن أ نسجد لما تامرنا،، و ذلك قوله: قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن اياما تدعوا. يدل على انه ذاتى لافعلى، واذا كان الفعل صفة الذات (ص ٣) اذ لا صفته بغيره، لما موجب ذلك الحاجة الى غيره ليحدث له الثناء والمدح، وما خلق الخلق انفع الامتداح وهو عن ذلك متعال بل بنفسه مستحق لكل مدح و حمد، ولا قوة الا بالله،

ہے، دوسرے کو رحمان نہیں کہا جاتا ہے اور رحیم اللہ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے، چنانچہ 'رحمن، کو اسم ذاتی اور 'رحیم، کو اسم فعلی بیان کرتے ہیں،

اس بات کا احتمال بھی ہے کہ دونوں اسماء رحمة سے مشتق ہیں، اور اسکی دلیل یہ ہے کہ عرب 'رحمان، کا انکار کرتے تھے، البتہ کسی عربی نے کبھی 'رحیم، کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے بیان کو دھراتا ہے، ”ہم نہیں جانتے 'رحمن، کیا ہے کیا ہم اسکو سجدہ کریں جسکے سجدہ کا حکم تم ہمکو دیتے ہو،، اور اللہ کا یہ قول ” قل ادعوا اللہ۔۔۔ تدعوا،، فرما دیجئے تم اللہ سے دعا کرو یا رحمان سے دعا کرو، جس سے تم چاہو دعا کرو کیونکہ اللہ کے سب نام عمدہ اور خوب ہیں،، ظاہر کرتا ہے کہ لفظ رحمان ذاتی ہے فعلی نہیں کیونکہ جب کسی فعل کا ثبوت کسی ذات کے لئے ہو تو یہ محال ہے کہ اس ذات کے سوا دوسرے کے ساتھ متصف ہو جائے، ورنہ یہ لازم آئیگا کہ اپنی ثناء و مدح کے لئے ذات غیر کی محتاج ہو اور اللہ نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ مدح وتعریف سے نفع اٹھائے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کے احتیاج سے بالاتر ہے وہ تو خود بلاکسی کی وساطت کے مدح وستایش کا مستحق ہے۔ اور اللہ ہی سے

وروى في خبر القسمة" ان العبد اذا قال الرحمن الرحيم قال الله تعالى اثنى على عبدى، واذا قال مالك يوم الدين، قال مجدنى عبدى، وذكر انه قال فى الاول بالتمجيد وفى الثانى بالثناء ، وذلك واحد لان معنى الثناء الوصف بالمجد والكرم والجود، والتمجيد هو الوصف بذلك ' و بالله التوفيق،

ثم اجمع انه قوله مالك يوم الدين انه يوم الحساب والجزاء، وعلى ذلك القول 'انا لمدينون، وقوله يومئذ يوفيهم الله دينهم الحق وهو الجزاء، ومن ذلك قول الناس كما تدين تدان ،

وجايز ان يكون مالك يوم الدين على جعل ذلك اليوم لما يدان اليوم اذبه يظهر حقيقته وعظم مرتبته ، وجليل موقعه عند ربه ،

طاقت و توانائی ملتی ہے ۔

عبادات کی تقسیم والی حدیث میں یہ بیان موجود ہے کہ بندہ جب ' الرحمن الرحیم ، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : میرے بندے نے میری تعریف کی ، اور جب ' مالك یوم الدین، کہتا ہے تو فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی و عظمت بیان کی۔ ایک روایت میں اول میں تمجید اور ثانی میں ثناء کا ذکر آیا ہے ، بہرکیف دونوں روایتوں کا مفہوم ایک ہی ہے ، کیونکہ مجدوکرم اور جود بیان کرنے کو ثنا کہتے ہیں اور تمجید میں بھی انہیں اوصاف کا بیان ہوتا ہے ، وباللہ التوفیق ،

مالك یوم الدین میں یوم دین کے مفہوم پر امت کا اجماع ہے کہ حساب وجزاء کا دن ہے ، اسی بنا پر کہیں گے ''انالمدینون،، '' البتہ ہمیں ضرور بدلہ ملیگا ،، ، دوسری آیت ہے : یومئذ یوفیہم اللہ الخ اس دن اللہ تعالیٰ انکے حق دین کا بدلہ پورا پورا دیگا۔ اسی معنی میں لوگوں کا مقولہ ہے : وکما تدین تدان ، جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے۔

یہ بھی جائز ہے کہ مالك یوم الدین میں یوم کواس جزا اور بدلہ کے لئے بنا دیا جائے جو

اس دن دیا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی حقیقت ظاہر ، اسکا مرتبہ بلند اور اسکی وقعت بیحد ہے ،

و في الآية دلالة وصف الرب بملك ماليس بموجود اوقت الوصف بملكه ، وهو يوم القيمة ، ثبت ان الله يجمع ما يستحق الوصف به يستحقه بنفسه لابغيره،

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ سزاوار ہے کہ یوم کے ملک کے ساتھ متصف کیا جا سکتا ہے ، جو اس وصف کے بیان کرنے کے وقت موجود نہ ہو یعنی قیامت کا دن ۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالی ان سارے اوصاف کا جامع ہے جنکا وہ مستحق ہے . کیونکہ وہ بنفسہ ان کا مستحق ہے بغیرہ نہیں

و لذلك قلنا نحن هو خالق لم يزل، و رحيم لم يزل ، وجواد لم يزل، و سميع لم يزل ، وان كان ماعليه وقع ذلك لم يكن، وكذلك نقول هو رب كل شئى . و اله كل شئى في الأزل ، و ان كانت الاشياء حادثة ، كما قال : مالك يوم الدين اليوم ، و ان كان اليوم فعلا[1] غير حادث ، و بالله التوفيق ،

اسی طرح ہم اللہ تعالی کے بارے میں کہتے ہیں '' اللہ ہر شے کا پروردگار ہے، ہمیشہ سے ہر شے کا معبود ہے'' ، اگرچہ ساری چیزیں حادث ہیں، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ، اللہ تعالی آج بدلہ کے دن کا مالک ہے، اگرچہ ' دن ، ایک فعل غیر حادث ہے، اور ہم اللہ ہی سے توفیق چاہتے ہیں ۔

و قوله اياك نعبد ، فهو، و الله اعلم ، على اضمار الامر اى قل ذا ، ثم لم يجعل له ان يستثنى

اور اللہ تعالی کا قول : '' ایاك نعبد '' (خاصکر تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں) واللہ اعلم ، صیغہ امر کے اضمار پر مبنی ہے ، یعنی '' یہ کہو'' پھر اس قول میں کسی استثناء کی رعایت نہیں کی گئی ہے ۔ بلکہ ہر

[1] المخطوطة . فعل

فی القول به بل الزمه القول بالقول فیه ، ثم هو یتوجه وجهین: احدهما الحال القول به علی الخبر عن حاله ، فیجب ان لا یستثنی فی التوحید ، و ان من یستثنی فیه عن شك فیستثنی ، و الله تعالی وصف المؤمنین بقوله : انما المومنون الذین آمنوا بالله و رسوله ، ثم لم یرتابوا ، الایه ، و کذا سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن افضل الاعمال ، فقال : ایمان لا شك فیه ،

و الثانی عن احوال التی تردد فی ذلك لکنه اذا کان ذلك علی اعتقاد المذهب لم یجز الشك فیه ، اذ المذاهب لا تعتقد لاوقات ، انما تعتقد للابد ، لذلك لم یجز الشك فیه فی الابد ، و بالله التوفیق ،

ایک کے لئے اللہ تعالی کے بارے میں یہ کہنا لازم قرار دیا گیا ہے ۔

نیز ، اس کی دو توجیہیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ عبادت ایک ایسی حالت ہے جسکے متعلق کچھ کہنا اس حالت کی خبر دینے کی بنا پر ہے ، تو توحید میں یہ واجب ہے کہ استثناء نہ ہو ، اور جو شخص شک کی بنا پر استثناء کرتا ہے تو وہ کرے ، اور اللہ تعالی نے ایمان والوں کی صفت اس طرح بیان کی ہے: ''جزاین نیست کہ ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور رسول کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر شک نہیں کرتے ،، الآیہ ۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ، سب سے عمدہ عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا : وہ ایمان جس میں شک نہ ہو ،

دوسری توجیہ وہ حالات ہیں جو عبادت میں تردد و شبہہ کے حامل ہیں ، لیکن جب ان کا تعلق مذہب کے اعتقاد سے ہو تو اس میں شک و شبہہ جائز نہیں ، کیونکہ مذاہب کا اعتقاد کسی خاص وقت کے لئے نہیں ہوتا وہ تو ابد تک کے لئے ہوتا ہے ، اسی لئے ابدی عقیدے میں استثناء جائز نہیں ، اور اللہ ہی سے توفیق ملتی ہے ۔

ثم قوله اياك نعبد يتوجه وجهين :

احدهما الى التوحيد ، و كذا روى عن ابن عباس رضى الله عنه ، انه قال : كل عبادة فى القرآن فهو توحيد ،

و الوجه الاخر ان يكون على كل طاعة ان يعبد الله بها ، و اصلها يرجع الى واحد ، لما على العبد ان يوحد الله فى كل عبادة لا يشرك بها أحدا بل يخلصها ليكون موحدا لله بالعبادة والدين جميعا ، و على ذلك قطع الطمع والخوف والحوائج كلها عن الخلق ، و توجيه ذلك الى الله تعالى ، بقوله: انتم الفقراء الى الله ، و الله هو الغنى الحميد ، وعلى ذلك المؤمن لا يطمع فى

نیز اللہ تعالی کے فرمان "ایاك نعبد" سے دو باتیں ظاہر ہیں ، اول توحید خالص، چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے ، فرماتے تھے قرآن پاک میں جو عبادت مذکور ہے وہ توحید ہے ، ثانی ، یہ کہ اللہ تعالی کی عبادت ہر طرح کی فرمانبرداری کے ساتھ ضروری ہے ، اور ہر قسم کی طاعت کی اصل ایک اور صرف ایک ہے ، اس لئے کہ بندہ پر فرض ہے کہ ہر عبادت میں اللہ تعالی کو ایک جانے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھرائے ، بلکہ اپنی عبادت خالص طور پر اللہ کے ساتھ مختص کرے تاکہ ہر طرح عبادت دین اور عقیدے میں اللہ کی توحید کا اظہار کرے ، اس طرح لالچ ، خوف سے بندہ دور رہے گا اور اپنی حاجتوں کے لئے کسی مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے پوری لگن کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف توجہ کریگا ، اور اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق مخلوق کو کہے گا تم سب اللہ کے محتاج ہو ، اور اللہ ہی غنی اور قابل ستائش ہے ، اس طرح ایک ایمان دار حقیقت میں اللہ کے سوا کسی سے لو نہیں لگاتا ، اور نہ کسی سے اپنی حاجت بیان کرتا ہے ، اور نہ کسی سے اللہ تعالی کے بتائے ہوئے طریقے کے سوا ڈرتا ہے ،

الحقيقة باحد غير الله ، ولا يرفع اليه الحوائج ،

ولا يخاف الا من الوجه الذى يخشى ان الله جعله شيئا لوصول بلاء من بلاياه اليه على بدنه ، فعلى ذلك يخافه او يرجو ان يكون الله تعالى جعل سبب ما وقفه اليه على بدنه فبذلك يرجو ويطمع فيكون ذلك من الضالين ، ليكون فى ذلك التعوذ من جميع انواع الذنوب و الاستهداء الى كل انواع البر۔

ثم التسمية ، هى آية من القرآن وليست من فاتحة القرآن۔

دليل جعلها اية ماروى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال لابى بن كعب : لاعلمنك آية لم تنزل على احد قبلى الا على

بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالی نے انکو اس قابل بنایا ہے کہ اس کے حسب منشا کسی ابتلاء و آزمائش کو انسان کے بدن تک پہنچادیں ، تو ایسی چیزوں سے ڈرنا برحق ہے، یا یہ امید رکھے کہ اللہ تعالی اس ابتلاء کو اس کے بدن سے دور کرنے کا کوئی سبب بنائے ، بنابریں اگر بندہ ان اسباب سے امید و طمع رکھے گا تو گمراہوں میں سے ہو جائے گا۔ غرض ہر قسم کے گناہوں سے اللہ ہی کے ہاں پناہ ڈھونڈنی چاہیے اور ہر قسم کی نیکی کی ہدایت و رہنمائی اسی سے طلب کرنی چاہیے۔

نیز ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' قرآن پاک کی ایک آیت ہے ، سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں ہے ،

تسمیہ کے آیت ہونے کی دلیل پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث ہے کہ آپ نے ابی بن کعب سے فرمایا : البتہ تمکو میں ایک ایسی آیت سکھاؤنگا جو مجھ سے پہلے کسی پر نازل نہ ہوئی ، ہاں صرف سلیمان بن داؤد پر وہ اتاری گئی تھی ، پھر آپ نے اپنا ایک قدم بڑھایا ، پھر فرمایا ''اے ابی یہ وہ آیت ہے جس سے قرآن پاک کی قرأت شروع کی جاتی ہے ، ابی نے کہا : 'بسم اللہ

سلیمان بن داؤد ، فاخرج احدی قدمیه ، ثم قال له یا أبی آیه یفتتح القرآن ، قال بسم الله الرحمن الرحیم ، فقال : هی هی - ففی هذا انها آیه من القرآن وانها لو کانت من السور لکان یعلمه بما ..... ایه (ص ٤) لا آیه واحدة ، ولو کانت منها أیضا لکان لا یجعلها مفتاح القرآن ، بل یجعلها من السور ،

ثم الظاهر ان لم یتکلف تفسیرها علی ابتداء السورة ، ثبت انها لیست منها ،

وکذلك ترك الامه الجهر بها علی العلم بأنه لا یجوز ان یکون رسول الله علیه السلام یجهر بها ثم یخفی ذلك علی من معه ، و ان یکون غفلوا ، ثم یضیعون سنته بلا نفع یحصل لهم ، حتی

الرحمن الرحیم ، حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : وهی ، وهی ، اس حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ بسم اللہ ، قرآن حکیم کی ایک آیت ہے ، اگر سورتوں میں اسکا شمار ہوتا تو آپ ضرور تعلیم دیتے کہ یہ سورہ کی آیت ہے ، اور آپ اپنے مبارک الفاظ ' ایک آیت ، سے تعبیر نہ کرتے - نیز اگر سورہ فاتحہ کی آیت ہوتی تو آپ بسم اللہ کو قرآن کی ''مفتاح'' نہ فرماتے بلکہ سورتوں کی ایک آیت قرار دیتے -

پھر یہ بات ظاہر ہے کہ اس آیت کی تفسیر سورہ فاتحہ کی ابتدا کی حیثیت سے نہیں کی جاتی ہے ، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ،

اسی طرح امت نے بسم اللہ کو زور سے پڑھنا ترک کیا ہے ، یہ اس یقین کے ساتھ کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اس کی قراءت زور سے فرماتے اور آپ کے ساتھیوں کو اس کی خبر نہ ہوتی ، یا آپ کے اصحاب غافل ہوتے اور بغیر کسی نفع کے حصول کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی سنتوں کو ضایع کر دیتے یہاں تک کہ امت عہد بعہد متوارثا اس کی جہری قراءت ترک کرتی گئی اس احتمال کے ساتھ کہ بسم اللہ

تواوثت الامة" ترکها فیما یحتمل ان یکونوا الجهر سنة" ، ثم یخفی۔ فیکون فی فعل الناس دلیل واضح انها لیست من السور،

و دلیل آخر علی ذلك ما روی عن رسول الله صلی الله علیه و سلم انه قال "قسمت الصلاۃ بینی و بین عبدی نصفین، فاذا قال العبد الحمدلله الی قوله مالك یوم الدین ، فقال هذا لی و هی ثلاث آیات ، و قال بعد قوله اهدنا الی آخرها ، هذا لعبدی ثلاث ، انها ثلاث آیات لتستوی القسمة" ،

ثم قال فی قوله : ایاك نعبد وایاك نستعین، هذا بینی و بین عبدی نصفین،

فثبت انها آیة" واحدة ، فصارت بغیر التسمیة" سبعا ، و ذلك قول

کی جہری قراءت سنت ہے مگر لوگوں پر یہ امر پوشیدہ رہا۔ غرض لوگوں کے فعل سے یہ دلیل واضح ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز یا آیت نہیں ہے۔

دوسری دلیل اس آیت کے فاتحہ سے نہ ہونے کی وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بیان کی گئی ہے، کہ اللہ تعالی نے کہا ہے: نماز کو میں نے اپنے اور اپنے بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کر دیا ہے،

جب بندہ الحمد للہ سے لیکر مالك یوم الدین تک کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ آیتیں میرے لیے ہیں ، اور یہ نصف تین آیتیں ہیں ، اور جب بندہ ، اهدنا سے آخر تک پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ تین آیتیں میرے بندے کے لئے ہیں ، ظاہر ہے کہ دونوں حصے تین تین آیات پر مشتمل ہیں تاکہ تقسیم مساوی ہو۔

پھر اللہ تعالی ، ایاك نعبد و ایاك نستعین، کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ میرے اور بندہ کے درمیان نصف نصف ہے، تو اس فرمان سے اس آیت کا ایک ہونا ثابت ہوا ، اس طرح سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کے سوا سات

الجميع ، انها سبع ايات مع ما لم يذكر فی خبر القسمة فثبت انها دونها سبع آيات ،

وقد روی عن انس بن مالك انه قال صليت خلف رسول الله و خلف ابی بكر و عمر و عثمان فلم يكونوا يجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم ، و روی ذلك عن علی و عبدالله بن عمر و جماعة ، و هو الامر المعروف فی الامة مع ما جاء فی قصة السحر ان العقد كانت احدی عشرة ، و قرأ[1] عليها المعوذتين دون التسمية ، فكذا غيرها من السور مع ما إن جعلت مفتاحا كانت كالتعوذ۔ و الله الموفق ،

والاصل عندنا ان المعنی الذی تضمنه فاتحة القران فرض علی

---

[1] المخطوطة : قرئ

آیتیں پائی گئیں ، اور سب لوگوں کا یہی قول ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں قطع نظر اس کے جو تقسیم عمل والی حدیث میں مذکور نہیں ، تو یہ ثابت ہوا کہ سورہ فاتحہ تنہا سات آیتوں پر مشتمل ہے جس میں بسم اللہ شامل نہیں ہے ،

انس بن مالك رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے نیز حضرت ابوبکر ، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ، وہ سب بسم اللہ الرحمن الرحیم بآواز بلند نہیں پڑھتے تھے ،

حضرت علی ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے بھی یہی روایت ہے ، اور یہ امت میں مشہور بات ہے ، اسی سلسلے میں قصۂ سحر کے ذکر میں روایت ہے کہ جادو کی گرہیں گیارہ تھیں جنہیں قل اعوذبرب الفلق اور قل اعوذبرب الناس کی سورتیں بسم اللہ کے بغیر پڑھی گئیں ، تو دوسری سورتیں بھی تعوذ کی سورتوں کی طرح ہوئیں ، ساتھ ہی یہ امر ہے کہ اگر بسم اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان کے مطابق قرآن کی کنجی سمجھیں تو یہ بھی تعوذ کے

جميع البشر اذ فيه الحمد لله والوصف له بالمجد و التوحيد له والاستعانة به و طلب الهداية وذلك كله يلزم كافة العقلاء من البشر اذ فيه معرفة الصانع على ما هو معروف ، والحمد له على ما يستحقه اذ هو المبتدى بنعمه على جميع خلقه ، واليه فقر كل بقدر حاجة كل يحتاج ، فصارت لنفسها بما جعلت الخصال التى بينا فريضة على عباد الله ، ثم ليست هى فى حق الصلاة فريضة ، و ذلك نحو التسبيحات بما فيها من تنزيه الله ، والتكبيرات بما فيه من تعظيمه فريضة نفسها ، إذ ليس لاحد ان لا ينزه ربه ولا يعظمه من غير ان

مثل ہے،، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے،

ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ جو مفہوم فاتحۃ القرآن میں شامل ہے وہ جمیع بشر پر فرض ہے، یہ مفہوم اللہ تعالی کی حمد اس کی عظمت و وحدانیت کے وصف کا بیان ، اس سے ہدایت و مدد کی درخواست ، سب کو شامل ہے اور یہ ساری باتیں جمیع عقلاء بشر کے لئے لازم و ضروری ہیں کیونکہ اللہ کے خالق ہونے کی ان سے پوری معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اس تعریف کا بیان مقصود ہے جسکا وہ مستحق ہے، کیونکہ اللہ تعالی ہی اپنی جمیع مخلوق پر اپنی نعمتوں کو اولین بار نچھاور کرتا ہے، ہر چیز اپنی حاجت پوری کرنے میں اسی کی محتاج ہے، اور اپنی حاجت کے برابر اس کی ضرورتمند ، چنانچہ ان خصائل کی وجہ سے جنکو ہم بیان کر چکے ہیں اور جو بتائی جا چکی ہیں یہ ساری باتیں لذاتہا اللہ کے بندوں پر فرض ہیں، پھر یہ چیزیں نماز کے حق میں فرض نہیں ہیں، انکی مثال تسبیحات جیسی ہیں جن سے اللہ کے غیر اللہ سے پاک و بے نیاز رہنے کا ذکر ثابت ہے، اور تکبیرات ہیں جن سے اللہ کی عظمت ظاہر ہے، یہ سب لذاتہا فرض ہیں،

کیونکہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ اپنے

يوجب ذلك فرضيتها فی حق الصلاة و فی حق کل مجعوله هی فيه لا من طريق يوضح الفرضيه من غير طريق النهی ذکرت ، ثم ليست هی بفريضه فی حق القراءة فی الصلاة لوجوه : احدها ان فرضيه القراءة عرفنا بقوله فاقرءوا ما تيسر من القرآن ، وفيها الدلاله من وجهين : احدهما انه قد يکون غيرها ايسر والثانی [1] ان فرضيه القراءة فی هذه الايه من حيث الاستنان بالتخفيف عليه ، ثم التيسير ولو لم يکن فريضه لم يکن عليها فی التخفيف منه اذا بالترک ، ثم لا تخير فی فاتحه القرآن ، والايه التی بها عرفنا الفرضيه فيها تخير ما يختار من الأيسر ، ثبت انها رجعت الی

پروردگار کی تنزیه نه کرے اور اس کی عظمت بیان نه کرے جبتک که ان کی فرضیت نماز کے حق میں ضروری نه قرار دے۔ نیز هر پیدا کرده شی میں اس کی فرضیت کو نهی کے سوا جسکو میں ذکر کر چکا هوں ، کسی اور طریقے سے واضح نه کرے،

نیز حق قراءت کے لحاظ سے نماز کے اندر سوره فاتحه کی قراءت چند وجوه کی بنا پر فرض نهیں ، اولین وجه یه هے که قراءت کی فرضیت کو هم الله تعالی کے قول : فاقرءوا ما تیسر من القرآن : (قرآن سے جس قدر آیتوں کی قراءت آسان هو پڑهو ،) سے سمجهتے هیں ، اس آیت میں قراءت کے فرض هونے کی طرف دو طرح سے رهنمائی هوتی هے: ایک یه که دوسری آیتوں کی قراءت ممکن هے که زیاده سهل و آسان هو ، دوسری وجه یه هے که اس آیت میں قراءت کی فرضیت بطور امتنان اور احسان جتانے کے هے که الله تعالی نے همارے لئے قرآن پاک سے بسهولت چند آیات کے پڑهنے کا حکم دیکر انسان پر بڑا فضل و احسان کیا هے، نیز اگر یه سهولت و آسانی فرض نه هوتی تو آیتوں کے ترک کے ساتھ تخفیف کرنے میں هم پر الله تعالی احسان نه جتاتا ، (سلسل)

---

۱ ـ المخطوطه : الهمانی